July
2025

ماہنامہ
پیام عرفات
رائے بریلی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں!

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم أجمعین کی نسل ممتاز ترین اور افضل ترین نسل ہے، جس کی اسلامی دعوت کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی بلکہ انبیاء کی تاریخ میں ایسا نمونہ نظر نہیں آتا، صحابہ کرامؓ کے فضل و احسان کا انکار ہٹ دھرم اور سرکش شخص ہی کرسکتا ہے، تمام صدیوں میں اس امت پر ان کے احسانات ہیں اور وہ بغیر کسی تفریق و امتیاز کے قیامت تک نمونہ اور معیار ہیں۔ بلاشبہ صحابہ کرام نبوی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں اور شجر نبوی کے پھل ہیں اور ابتلاء و آزمائش کے مختلف مراحل سے گزر کر پروانہ الٰہی ’’رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ‘‘ سے سرفراز ہوئے، اس قدسی جماعت پر جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوا، اگر کوئی کیچڑ اچھالتا ہے تو وہ درحقیقت نبوی تعلیم و تربیت اور شجر نبوی پر کیچڑ اچھالتا ہے۔‘‘

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

اہل سنت والجماعت

علامہ سید سلیمان ندویؒ

''اہل سنت والجماعت تین لفظوں سے مرکب ہے۔''اہل'' کے معنی اشخاص، مقلدین، اتباع اور پیرو کے ہیں۔ 'سنت'' عربی میں راستے کو کہتے ہیں اور مجازاً اصول مقررہ، روش، زندگی اور طرز عمل کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد دفعہ انہی معنوں میں آیا ہے، فرمایا ہے:

﴿سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (الأحزاب: ٦٢)

(یہ اللہ کا دستور ان لوگوں میں بھی رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔)

اسی طرح احادیث میں سنت کا جو لفظ آتا ہے، اس کے معنی حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصولِ مقررہ اور طرز عمل کے ہیں، اسی لیے اصطلاحِ دینی میں حضرت رسول اکرم ﷺ کی طرز زندگی اور طریق عمل کو 'سنت'' کہتے ہیں۔

''جماعت'' کے لغوی معنی تو گروہ کے ہیں، لیکن یہاں جماعت سے مراد ''جماعتِ صحابہ'' ہے، اس لفظی تحقیق سے ''اہل سنت والجماعت'' کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے، یعنی یہ کہ اس فرقہ کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات، اعمال اور مسائل کا محور پیغمبر علیہ السلام کی سنتِ صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثرِ مبارک ہے، یا یوں کہیے کہ جنہوں نے اپنے عقائد اور اصولِ حیات اور عبادات واخلاق میں اس راہ کو پسند کیا جس پر رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام عمر بھر چلتے رہے اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ اس پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچے۔

کسی قوم میں کوئی ترقی اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک اس کے تمام افراد کسی ایک نقطے پر باہم اس طرح مجتمع نہ ہو جائیں کہ وہ نقطہ اجتماع ان کی زندگی کا اصلی محور بن جائے، اس کا تحفظ، اس کی بقاء، اس کا وجود، تمام افراد قوم کی زندگی کی غرض اصلی بن جائے، اس وقت اس مجموعہ افراد کو ایک ملت کہا جا سکتا ہے اور وہی نقطہ اتحاد ان کا شیرازۂ قومیت، رشتہ جامعیت اور رابطہ وحدت قرار پائے گا، کسی قوم کی تباہی کا اصلی سبب یہی ہوتا ہے کہ اس کی قومیت کی یہ گرہ کھل جاتی ہے، تمام مجتمع افراد اس طرح متفرق ومنتشر ہو جاتے ہیں کہ ہوا کا ایک ادنیٰ جھونکا ان کو بکھیر دیتا ہے۔''

(ماخوذ از رسالہ: اہل سنت والجماعۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیامِ عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۷ — محرم الحرام ۱۴۴۷ھ - جولائی ۲۰۲۵ء — شمارہ: ۷

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہ

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ:

"أَصۡحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي فَإِذَا ذَهَبَ أَصۡحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ عذاب آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔)

(صحيح مسلم: ٦٦٢٩)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15

E-Mail: markazulimam@gmail.com

سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

نیا سال اور ہم (اداریہ)..۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

مدرسہ نبوت کے تربیت یافتہ..................................۴
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیازی پہلو.............................۶
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

ماہِ محرم اور سنی بھائیوں سے چند باتیں.............................۸
مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟...۱۰
بلال عبدالحی حسنی ندوی

ظہار کے شرعی احکام..۱۲
مفتی راشد حسین ندوی

صحابہ کی قدسی جماعت اور منافقین...........................۱۴
عبدالسبحان ناخدا ندوی

مغربی تہذیب کے اثرات اور انسانی تہذیب......................۱۶
محمد امین حسنی ندوی

محرم الحرام اور اس کی اہمیت و تقاضے..........................۱۸
محمد نجم الدین ندوی

شہادتِ حسین کا مقصد..۲۰
محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم

نتیجۂ فکر:- جناب والی آسی مرحوم

دنیا سے یہی رخت سفر لے کے چلے ہیں
ہم الفت صدیقؓ و عمرؓ لے کے چلے ہیں
ہے پیش نظر سیرتِ عثمانؓ و علیؓ بھی
ہو شام نہ جس کی وہ سحر لے کے چلے ہیں

ہم راہ لیے ثور کی جانب شب ہجرت
صدیقؓ کو خود خیر بشرؐ لے کے چلے ہیں
انصاف نے وہ عدل کبھی پھر نہیں دیکھا
آئین عدالت جو عمرؓ لے کے چلے ہیں

واللہ! عجب شان ہے عثمانِ غنی کی
دنیا سے یہ فردوس میں گھر لے کے چلے ہیں
کہتا ہے علیؓ شیر خدا جن کو زمانہ
وہ نصرتِ خیبر کی خبر لے کے چلے ہیں

سینے سے لگائی ہوئی ناموسِ صحابہؓ
اس راہ میں نذرانۂ سر لے کے چلے ہیں
کچھ ہم پہ ہے ان کا کرم خاص بھی والیؔ
کچھ اپنی دعاؤں میں اثر لے کے چلے ہیں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

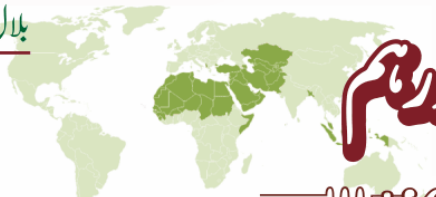

نیا سال اور ہم

محرم ہر سال آتا ہے مگر سال کا یہ آغاز جن حالات میں ہو رہا ہے اور امت جس کرب و بلا سے گزر رہی ہے اس سے کربلا کا زخم ہرا ہوتا ہے، ظلم وستم کی داستانیں تاریخ کو مجروح کر رہی ہیں، لیکن ادھر دو ڈھائی سالوں میں ظلم و بربریت نے جس طرح کی داستان رقم کی ہے وہ عالم انسانیت کی تاریخ کا ایک انتہائی بدنما داغ ہے جو شاید کبھی دھویا نہ جا سکے۔

ایک دور تھا کہ ایک مظلوم عورت سینکڑوں ہزاروں میل دور سے "وا معتصماہ" کا نعرہ لگاتی ہے اور خلیفہ وقت اس کی مدد کے لیے فوج بھیجتا ہے، آج ظلم کی آگ لگی ہوئی ہے لیکن پچاسوں مسلمان ملکوں میں کوئی معتصم نہیں جو دادرسی کر سکے۔

ایک ملک نے حملہ کیا، اشک شوئی کے لیے یہ بھی بہت کچھ تھا، کاش کہ اس حملے کی بنیاد ان مظلوموں کی دادرسی ہوتی اور صلح کی شرائط میں کچھ ان مظلوموں کو بھی حصہ دے دیا جاتا، ظاہر ہے سیاسی ہیر پھیر سے دین و مذہب کا کیا واسطہ، خاص طور پر جب بنیادیں ہی الگ ہوں، جہاں صحابہ پر سب وشتم کیا جائے، جہاں انبیاء سے بڑھ کر "ائمہ معصومین" کا درجہ بتایا جائے، جہاں دین کی بنیادوں کو مسخ کیا جائے، اس کے بعد توقع ہی کیا ہے؟! یقیناً یہ ایک جرأت کی بات محسوس کی گئی کہ کسی نے جابر و ظالم حکومت کو آنکھیں دکھائیں، لیکن ڈھائی سال کی مدت میں یہ جب ہوا کہ وہ خود زد میں آتے نظر آنے لگے۔

جو کچھ ہوا، ہم اس پر بھی داد دیتے ہیں، کہیں سے کسی طور پر ان مظلوموں کی اشک شوئی ہوئی، یہ ہم سب کے لیے خوشی کا سامان ہے، لیکن اگر کوئی "ان" کو اسلامی قائد و رہنما سمجھتا ہے تو وہ اپنے ایمان کا سودا کرتا ہے، جس حکومت کے مؤسس نے اس کی بنیاد ہی شیعیت پر رکھی ہو اور جس کی بنیادی کتابوں میں اسلامی حقائق کی بیخ کنی کی گئی ہو اور جہاں اعمال کی بنیاد ہی نفاق پر ہو، "تقیہ" جس مذہب میں عین عبادت اور تقرب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہو، اگر اس سوراخ سے کوئی بار بار ڈسا جائے تو مؤمن کیسے ہو سکتا ہے: "لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين"

امتحان کی گھڑی ہے، سب سے بڑھ کر مسئلہ ہمارے ایمان کا ہے، حالات کچھ بھی ہوں، کسی وقت بھی ہم ایمان و عقیدہ سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے، ہمیں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے، تاریخ میں عروج و زوال کی داستانیں اور اس کے اسباب سب موجود ہیں، ہمیں تاریخ سے بھی سبق لینا ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے سامنے اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے سخت حالات سے گزرنا پڑا لیکن ایک لمحے کے لیے بھی سمجھوتہ نہیں کیا گیا، اللہ کی طاقت سب سے بڑھ کر ہے، جو کچھ ہوتا ہے اس کی مصلحت سے وہی واقف ہے، خدانخواستہ کسی لمحے بھی اگر مایوسی پیدا ہو، اللہ کی ذات پر اعتماد میں کمی ہو تو سب سے بڑھ کر خطرے کی بات ہے۔

ہر حال میں ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط کرنا ہے، عقائدِ اسلام کی بنیادوں کو استوار رکھنا ہے، اعمال و اخلاق میں بلندی پیدا کرنی ہے، اللہ نے اسی میں ہماری سربلندی کا راز رکھا ہے۔

سال کے آغاز پر کاش کہ ہم نئی ہمت و حوصلہ اور نئے ایمان و یقین کے ساتھ آگے بڑھنے کا عزم کریں اور اپنی زندگی کو اسی روشنی سے منور کریں جو روشنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ہمیں ملی، آج تاریک دنیا کو اسی روشنی کی ضرورت ہے، کاش کہ ہماری زندگی دنیا میں روشنی کا ذریعہ بن جائے۔

مدرسہ نبوت کے تربیت یافتہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ﷺ کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے اور نوعِ انسانی کے شرف وافتخار کا باعث، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل، اس سے زیادہ دل کش ودل آویز تصویر نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی وخدا ترسی، ان کی پاک بازی وپاکیزگی، ان کی شفقت ورافت اور ان کی شجاعت وجلادت، ان کا ذوقِ عبادت اور ان کا شوقِ شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پرواہی اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام، دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد تیار کیے، ان میں سے ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ شہادت پیش نہ کرتی اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا لیکن وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے، وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف وکمالات پیدا کر دیئے تھے۔

یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ بندگی اور زندگی کے ہر محاذ پر کار آمد مستعد اور قیمتی ثابت ہوا اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت وصلاحیت اور اپنی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبہ خدمت کا ثبوت دیا، اس کو اگر فیصلہ اور ثالثی کا کام سپرد کیا گیا تو وہ بہترین قاضی اور لائق ترین ترجیح ثابت ہوا، جس نے ترازو کے تول فیصلہ کیا، وہ اگر فوجوں کا سپہ سالار اور قائد مقرر ہوا تو اس نے اپنی جنگی قابلیت، بیدار مغزی اور شجاعت اور مرحمت کا ثبوت دیا، اگر فوجوں کی کمان اس کے حوالہ کر دی گئی تو ایک مستعد اور کارگزار اور ایک جری اور جانباز سپاہی ثابت ہوا، اگر اس کو فوجوں کی قیادت کے منصبِ علیا سے معزول کر دیا گیا تو اس کی پیشانی پر ناراضگی کی ایک شکن اور اس کی زبان پر شکایت کا ایک حرف نہیں آیا اور لوگوں نے اس کی مستعدی اور جوش ونشاط میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا، اگر وہ نوکروں کا آقا اور محکمہ کا افسر تھا تو ایک فراخ دل اور شفیق آقا اور ایک خیر خواہ اور محبت کرنے والا بزرگ خاندان اور اگر وہ مزدور واجیر تھا تو وہ ایک فرض شناس ومستعد مزدور تھا، جس کو اپنی مزدوری کے اضافہ سے زیادہ کام کے اضافہ کی فکر تھی، وہ فرد اگر فقیر تھا تو فقیر صابر وقانع اور اگر غنی تھا تو غنی شاکر اور محسن، وہ اگر عالم تھا تو علم کو عام کرنے اور لوگوں کو خدا کا راستہ بتلانے کا حریص اور اپنے علم کی تقسیم میں فیاض اور اگر طالب علم تھا تو علم صحیح کے حصول کا شائق اور اس کو اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھ کر اس کی طلب میں منہمک اور اس کے لیے بڑی سے بڑی محنت اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے والا تھا اور اگر وہ کسی شہر کا حاکم تھا تو راتوں کو پہرہ دینے والا اور دن کو انصاف کرنے والا تھا، غرض یہ فرد انسانی معاشرہ کے جس مقام اور جس محاذ پر تھا، نگینہ کی طرح جڑا ہوا تھا۔

دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ذمہ داری (حکومت) جب اس کے سپرد ہوئی تو اس نے زہد وفقر اور ایثار وقربانی اور جفاکشی وسادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا محو حیرت رہ گئی اور ابھی تک اس کے تحیر میں کوئی کمی نہیں، آیئے ہمارے ساتھ خلافتِ راشدہ کے ان

واقعات کو پڑھ لیجیے۔ عہد صدیقی کا مؤرخ لکھتا ہے:

''ایک روز حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی، جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں، انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کرلوں، فرمایا: جمع کرو، کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے، تو حضرت ابوبکر دیئے کہ شیرینی لادو، پیسے لے کر کہا: معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں، لہٰذا بیت المال کا حق ہے، چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کردیئے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کردیا۔'' (سیرۃ الصدیق، از: مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی)

آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ تزک واحتشام اور کروفر کا تماشا دیکھا ہوگا، ساتویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرماں روا حضرت عمرؓ کے سرکاری دورے (سفر شام) کی روداد مؤرخ کی زبان سے سنئے، مولانا شبلی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''الفاروق'' میں ۱۸ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا، حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے، ایلہ کے قریب پہنچے، کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے، راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے، اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا، کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کے لیے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا، اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔''

نبوت کا یہ کارنامہ زمانہ بعثت اور پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ کی تعلیمات نے اور آپ کے صحابہ کرام نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے، وہ مسلمانوں کی بعد کی نسلوں اور وسیع عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں ہر شعبہ زندگی اور صنف کمال میں عظیم انسان پیدا کرتے رہے جن کی انسانی بلندی شک وشبہ اور اختلافات سے بالاتر ہے، اس لازوال ''مدرسہ نبوت'' کے فضلاء اور تربیت یافتہ (جنھوں نے صرف اسی مدرسہ سے انسانیت واخلاق اور خداشناسی اور انسان دوستی کا سبق لیا تھا) اپنے اپنے زمانہ کی زیب وزینت اور انسانیت کے شرف وعزت کا باعث ہیں، کسی مؤرخ اور کسی بڑے سے بڑے مصنف اور محقق کی یہ طاقت نہیں کہ ان لاکھوں اہل یقین اور اہل معرفت کے ناموں کی صرف فہرست بھی پیش کر سکے، جو اس تعلیم کے اثر سے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات پر پیدا ہوتے رہے، پھر ان کے مکارم اخلاق، ان کی بلند انسانیت، ان کے روحانی کمالات کا احاطہ تو کسی طرح ممکن نہیں، ان کے حالات کو (جو کچھ بھی تاریخ محفوظ کرسکی ہے) پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ خاکی انسان روحانی ترقی، نفس کی پاکیزگی، حوصلہ کی بلندی، انسان کی ہمدردی، طبیعت کی فیاضی، ایثار وقربانی، دولتِ دنیا سے بے نیازی، سلاطین وقت سے بے خوفی، خداشناسی وخدادانی اور غیبی حقیقتوں پر ایمان ویقین کے ان حدود اور بلندیوں تک بھی پہنچ سکتا ہے؟ ان کے یقین نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین سے بھر دیا، ان کے عشق نے لاکھوں انسانوں کے سینوں کو عشق کی حرارت اور سوز سے گرم وروشن کردیا، ان کے اخلاق نے خوں خوار دشمنوں کو جانثار اور لاکھوں حیوان صفت انسانوں کو حقیقی انسان بنادیا، ان کی صحبت اور ان کے فیض وتاثیر نے خداطلبی اور خداترسی اور انسان دوستی کا عام ذوق پیدا کردیا۔

ہمارا ملک ہندوستان اس بارے میں بڑا خوش نصیب ہے کہ وہ اپنے آغوش میں بکثرت ایسے مردان خدا کو لیے ہوئے ہے جنھوں نے اپنے عہد میں انسانیت کو بلند اور انسان کا نام روشن کیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیازی پہلو

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

خاتم النبیین حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور طبیعت کے تعلق سے اسلام کی اثر پذیری پر بہت اثر پڑا جو بظاہر سابق انبیاء کے ہاں نہیں نظر آیا، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسانی فطرت میں ایک دوسرے سے انس وتعلق و بے تعلقی کے مختلف ومتفاوت درجات ہوتے ہیں، بعض وقت ایک انسان دوسرے انسان سے انس محسوس کرتا ہے اور بعض وقت نامانوسی کے حالات ظاہر ہوتے ہیں، اس نامانوسی اور انس کے اسباب بھی ہوتے ہیں، ان کے اثر سے یہ بات پیش آتی ہے مثلاً: بیٹے کو دیکھ کر باپ کو انس ہوتا ہے، حالانکہ چہرہ بظاہر اس جیسے دوسرے لڑکے کا بھی ہوتا ہے، لیکن بعض وقت اس کے چہرہ کو دیکھ کر طبیعت میں اعراض محسوس ہوتا ہے، بعض وقت یہ بات گہری اور زیادہ سخت ہوتی ہے، عاشق ومعشوق کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، انسان کی انسان سے ملاقات پر اور آپس کے میل جول میں انس اور ناپسندیدگی کے حالات ملتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے اور یہ بے سبب و بے مقصد نہیں ہے، ہر چیز میں حکمت ہے، اس میں بھی حکمت ہے اور اس کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ فطری اور کچھ غیر فطری رکھے ہیں جس کا تجربہ ہر شخص کو ہوتا رہتا ہے، کسی سے ہم بہت مانوس ہوجاتے ہیں اور کسی سے ملاقات پر طبیعت میں گرانی معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا مزاج اور فطرت بہت باریکی سے بنائی ہے اور اس میں عجیب وغریب خواص رکھے ہیں اور ہر انسان کو دوسرے انسان سے مختلف بنایا ہے، یہ نہ کیا ہوتا تو دنیا میں کسی ایک بھی آنکھ کے نہ ملنے کی بات نہ ہوتی اور اسی طرح کسی کے انگوٹھے کی چھاپ دوسرے کے انگوٹھے کی چھاپ سے نہیں ملتی اور دنیا بھر میں آنکھ کی چھاپ اور انگوٹھے کی چھاپ لے کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ الگ انسان ہے اور وہ الگ انسان ہے اور دونوں کے خواص الگ ہیں، اسی طرح ایک شخص کے چہرے کے انداز دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس کو دیکھنے والا اس کے مطابق اثر بھی لیتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند سے بھی اچھا چہرہ ایسا اثر رکھتا تھا کہ جس نے آپ کو دیکھا، دیکھتے ہی وہ آپ پر قربان ہوگیا اور اس کی کایا پلٹ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر خوب اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ احکام شریعت جیسے جیسے نازل ہوتے تھے، وہ ان کو اسی طرح اختیار کرتے جاتے تھے اور اگر کسی سے ذرا بھی چوک ہوتی تو انہیں اس قدر پریشانی ہوتی کہ جب تک اس کی صفائی نہ کر لیتے وہ چین سے نہ بیٹھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یوں ہی ان کی تعریف نہیں کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (الفتح: ۲۹)

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ انکاریوں پر زور آور ہیں آپس میں مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو جس نے انکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا پھر اپنے تنے پر

کھڑا ہو گیا، کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا تا کہ وہ ان سے انکار کرنے والوں کو جھلّا دے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے، ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔)

قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اعلیٰ مقام بتایا گیا ہے اور جابجا ان میں شامل ہونے والوں کا حال بھی بتایا گیا ہے جو ظاہر میں اپنے کو مسلمان اور صحابہ کا حصہ بتاتے تھے اور اس طرح فائدہ میں اپنے کو شریک کر لیتے تھے مگر ان کا طرز عمل ان کے خلاف تھا، ان کے متعلق "منافقون" اور "خادعون" کی بات فرمائی گئی ہے، ظاہر میں ان کے ساتھ اخلاق برتا جاتا تھا اور آخری درجہ کا اخلاق برتا گیا، لیکن یہ آیت اتری کہ انہیں اللہ تعالیٰ بخشے گا نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں بھی رہے، البتہ حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ کو نشاندہی فرمادی تھی، حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو ذمہ داری دی تو ان سے دریافت کیا کہ ان میں سے کسی کو ذمہ داری تو نہیں مل گئی ہے؟ انہوں نے کسی کا نام لیے بغیر کہا کہ ایک ایسے شخص کو مل گئی ہے جو ان میں سے ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے انہیں معزول کر دیا۔

جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کا تعلق ہے، اس سے فقہ و مسائل کی بڑی راہیں کھلتی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کو نبوت و دعوت کا کام تفویض کیا گیا اور اسلام بطور دین کے مکمل ہو گیا پھر آپ ﷺ کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا اور صحابہ اس مشن کو آگے بڑھانے اور دین و شریعت کو نافذ کرنے میں لگ گئے، اس طرح حضور کی بعثت بعثتِ مقرونہ تھی، آپ کے ساتھ آپ کی امت مبعوث کی گئی، فرمایا گیا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ صحابہ کے مختلف مراتب و درجات ہیں تو وہ ان کی قربانیوں اور سبقت فی الاسلام، فضل و تقدم، ایمان و یقین، ایثار و اخلاق اور اعمال کے تفاوت سے ہیں، یہ اللہ کا معاملہ ہے جس کے مقام کو چاہے بلند کرے، البتہ کسی ادنیٰ صحابی کا بھی مقابلہ بڑے سے بڑے ولی، عبادت گذار، مجاہد، متقی اور عظیم سے عظیم تر تابعی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اس شخص سے بھی نہیں کیا جا سکتا جنہیں زمانہ تو ملا مگر رؤیت کی بات حاصل نہ ہو سکی۔ فالغیب عند اللّٰہ!

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر سبھی ایک ہی موقع پر ایمان لے آتے اور ایک ہی حال سے گذرتے یا غلطیاں نہ ہوتیں تو یہ بات نزولِ قرآن و شریعت سے ٹکراتی، یہاں تک کہ ارتداد اور اس کے بعد اس سے واپسی پر معافی یا تعزیرات و حدود والے معاملات پر ان کی تنفیذ، یہ سب دینی حکمت و مصلحت کا حصہ ہیں مگر وہ سب اللہ کے ہاں مقبول اور دوسروں سے بہت اونچے مقام پر ہیں اور جن صحابہ کو اقتدار ملا انہوں نے اس فریضہ کو قرآن و سنت کے مطابق انجام دینے کی کوشش کی مگر وہ اس سلسلہ میں ہمیشہ خائف رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا اور انہوں نے اپنے کو کبھی خلیفہ راشد کے طور پر پیش نہیں کیا، البتہ ان کے نظام حکومت میں سبھی نے امن و استحکام محسوس کیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ.

صحابہ اور اہل بیت دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے اور ان حضرات میں آپس میں بڑے احترام و لحاظ کی باتیں نظر آتی ہیں، دونوں کی محبت اہل سنت والجماعت نے جمع کیں اور دونوں کا جو حق ہے وہ ادا کیا، البتہ جنہوں نے اس میں اعتدال کا راستہ چھوڑا وہ ناصبیت و خارجیت یا رفض و شیعیت کی طرف چلے گئے اور جادۂ حق سے ہٹ گئے، ایسی باتیں مختلف حالات کے نتیجہ میں بار بار سامنے آتی رہتی ہیں جس کے لیے تواصی بالحق کا عمل ضروری ہوتا ہے۔

ماہِ محرم اور سنی بھائیوں سے چند باتیں

حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بہت سے سادہ لوح مسلمان محرم الحرام کے مہینہ کو خاندان رسالت کے جگر گوشوں کی شہادت کی وجہ سے قابل عظمت سمجھتے ہیں، اسی لیے باقاعدہ اس کو مناتے بھی ہیں۔ اسلام میں کوئی مہینہ منایا نہیں جاتا، اسلام میں کوئی دن منایا نہیں جاتا، یہ منانے کا تصور اسلام میں نہیں، اسلام کی ہر عید اور مسلمانوں کی ہر عید نماز ہے، چاہے وہ عید الفطر ہو، چاہے وہ عید الاضحیٰ ہو، یہی ہے عبادت، یہی ہے اس دن کو منانا۔ تاریخی لحاظ سے یہ مہینہ اور خاص طور پر اس کی دسویں تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس تاریخ کے بارے میں بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں، لیکن وہ باتیں جیسا کہ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کا بہت زیادہ اعتبار نہیں ہے، البتہ ایک بات معتبر ہے اور متفق علیہ ہے کہ عاشوراء کے دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی، فرعون غرق ہوا تھا، اس واقعہ کی صحت پر سب کا اتفاق ہے، باقی باتیں جو بیان کی جاتی ہیں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی، نوح علیہ السلام کی کشتی اسی دن جودی پہاڑ پر ٹکی، ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں اسی دن ڈالا گیا اور آگ اسی دن گلزار ہوگئی۔ یہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں لیکن بہت زیادہ ان واقعات کو معتبر نہیں کہا جا سکتا، آپ ﷺ جس وقت مدینہ منورہ پہنچے، آپ ﷺ نے وہاں یہودی قبائل کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں، آپ نے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس دن یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس لیے روزہ رکھا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ کے حق داران سے زیادہ ہم ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم نے ان سب حقائق کو بالکل بدل کر رکھ دیا، عاشوراء کے دن جو حرکتیں ہوتی ہیں وہ خلافِ شرع ہیں، آپ خود سوچئے! جو لوگ صحابہ کرام کے سلسلے میں بدزبانی کریں، بے ہودگی کریں، کذب بیانی سے کام لیں، ان پر تہمت لگائیں، الزام لگائیں، نہ جانے کیسے کیسے تبصرے کریں، یہاں تک کہ لکھنؤ میں رہنے والے جانتے ہیں کہ پتنگوں میں ایسے ایسے جملے لکھ کر جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی گئی ہوتی ہے، جس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں لکھ کر وہ پتنگیں اڑائی جاتی ہیں اور جب وہ پتنگیں کٹتی ہیں اور سنیوں کے گھروں میں گرتی ہیں تو سوچئے ان کے جذبات کا کیا عالم ہوتا ہوگا لیکن کون پکڑا جائے گا؟ پتنگ کہاں سے آئی؟ نہیں معلوم!

اسی طرح یہاں تک ہوا ہے محرم میں کہ بھینس گائے بیل میں شیخین کے تعلق سے نامناسب الفاظ لکھ دیے اور ان کو چھوڑ دیا، وہ چوراہوں پر گھوم رہے ہیں، گلیوں میں گھوم رہے ہیں، سڑکوں پر گھوم رہے ہیں، سنی تلملا رہا ہے، مگر کیا کرسکتا ہے؟ جو فرقہ اور جو جماعت اس حد تک کر رہی ہے، ان کے جلوس میں شریک ہونا، ان کے ڈھول تاشے کے ساتھ نکلنے والے جلوس میں کھڑا ہونا، اس سے بڑھ کر بے غیرتی اور بے حیائی کی بات کیا ہوسکتی ہے؟!

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”من كثر سواد قوم فهو منهم.“

جس نے شریک ہو کر اور کھڑے ہو کر لوگوں کی بھیڑ میں اضافہ کیا اور ان کو طاقت پہنچائی تو وہ انہی میں سے ہے۔

اگر ہم ایسے پروگراموں میں جاتے ہیں، ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، ان کے چہلم یا عاشوراء کے دن کے جلوسوں کو دیکھتے ہیں اور وہاں ہماری بہنیں بھیڑ لگا کر کھڑی ہوتی ہیں، وہ یہ نہیں جانتیں کہ یہ ایک جلوس ہے، ایک تماشہ ہے، یا غم منایا جا رہا ہے حضرت حسینؓ کی شہادت کا، کیا غم ایسے ہی منایا جاتا ہے اور پھر

جس طرح مجلسوں میں تذکرہ ہوتا ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا، حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا، جس طرح منظر کشی کی جاتی ہے ان کے چیخ پکار کی، دوپٹے کے سر سے گر جانے کی، بال کھلنے کی، سڑکوں پر دوڑنے کی، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ کوئی بھی شریف باپ، کوئی عزت دار باپ یہ گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی بیٹی کا تذکرہ اس طرح سر عام ہو اور آپ ﷺ کی نواسیاں' پرنواسیاں' ان کا تذکرہ سرعام اس طرح کیا جارہا ہے کہ گویا ان کو بے عزت کیا جارہا ہے، جس طرح منظر کشی کی جاتی ہے لگتا ہے کہ ان کو ایک تماشہ بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور ہم سنی مسلمان پتہ نہیں ہماری غیرت کہاں چلی جاتی ہے؟ ہماری حیا کہاں کھو جاتی ہے اور ہم بڑے شوق سے اس میں جاتے ہیں اور شریک ہوتے ہیں، ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ کیا ہورہا ہے؟

آپ خود سوچئے! ۶۱ھ میں یہ واقعہ پیش آتا ہے، میں آپ کو تاریخ بتارہا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ تماشہ کیا ہے؟ اس کے پیچھے سیاست کیا ہے؟ اس کے پیچھے منصوبہ کیا ہے؟ اس کے پیچھے پلان کیا ہے؟ ۶۱ر ہجری میں واقعہ پیش آتا ہے اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ سب سے پہلا ماتم خود یزید کے گھر میں ہوتا ہے، جب شہادت کا واقعہ پیش آتا ہے، اس کے بعد اہل بیت کے گھر کے لوگ اور خواتین کو جانا ہوتا ہے یزید کے یہاں تو جب وہ جاتی ہیں تو یزید کے گھر کی عورتیں کالے کپڑے پہن کر ماتم کرتی ہوئی ان کے سامنے آتی ہیں اور اپنے جھوٹے غم کا اظہار ان کے سامنے کرتی ہیں تو ماتم تو یزید نے شروع کیا، یزید کے محل سے شروع ہوا، آج یزید کو گالی دینے والے، یزید پر لعنت بھیجنے والے، اسی یزید کی نقالی کررہے ہیں، اسی کی نقل کررہے ہیں، ۶۱ر ہجری کا یہ واقعہ ہے، انہی تاریخوں میں یزید کے یہاں ماتم ہورہا ہے، نوحہ ہورہا ہے، رویا جارہا ہے، بال نوچے جارہے ہیں، کالے کپڑے پہنے جارہے ہیں، ماتمی دھنیں بج رہی ہیں، پھر کیا ہوجاتا ہے، پھر یہ قوم کیوں سو جاتی ہے؟ کیوں ماتم نہیں کرتی؟ پھر یہ کیوں غم نہیں مناتی؟ پھر یہ جلوس کیوں نہیں نکلتے؟ یہ تعزیہ کیوں نہیں رکھتے؟ یہ مجلسیں مرثئے کی کیوں نہیں سجتی ہیں؟

اس کے بعد ۳۵۲ر ہجری میں ماتم ہوتا ہے، ۶۱ر ہجری سے لے کر ۳۵۲ر ہجری تک کوئی ماتم نہیں، کوئی نوحہ نہیں، سوائے ایک ماتم کے جو یزید کے گھر میں ہوا تھا، ۳۵۲ر ہجری کو معز الدولہ نامی ایک ایرانی شیعہ اعلان کرتا ہے کہ عاشوراء کے دن شہر کی دکانیں بند ہو جائیں گی، کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی، سب کالے کپڑے پہنیں گے، عورتیں بال اپنے کھول لیں گی، گریبان چاک کرلیں گی، کپڑے اپنے پھاڑیں گی اور جسم کو پیٹتے ہوئے سینہ کوبی کرتے ہوئے جلوس کی شکل میں نکلیں گی، ۳۵۲ر ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا ہے، ماتم کا اعلان کیا جارہا ہے، سرکاری طور پر ماتم منایا جارہا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ليس منا من ضرب الخدود أو من لطم الخدود."

(وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے چہرے پر تھپٹر مارے۔)

"أو شق الجيوب" (یا اپنا گریبان چاک کرے۔)

"ودعا بدعوىٰ الجاهلية" اور جاہلیت کا نعرہ لگائے۔

یعنی قبیلے کے نام پر لوگوں کو ابھارے، خاندان کے نام پر لوگوں کو ابھارے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک خاص طبقہ اگر ایسا کرتا ہے تو کرے، ہم اور آپ کیوں ایسا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ کی جماعت سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، سوچتے نہیں ہیں کہ آپ کے ارشادات کیا ہیں؟ آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ بس ایک تماشے کی خاطر نکل پڑتے ہیں۔

اگر یہ لوگ جلوس نکالیں، چاہے وہ 'اللہ اکبر' کا نعرہ لگاتے ہوئے نکالیں، چاہے وہ ''سبحان اللہ والحمد للہ'' کے ترانے پڑھتے ہوئے نکالیں، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے نکالیں، ان کے جلوسوں میں شرکت کرنا نہایت درجہ کی بے حیائی ہے، نہایت درجہ کی بے غیرتی ہے، نہایت درجہ کی گمراہی ہے، ذلالت ہے اور رذالت ہے، نہایت درجہ کی جہالت ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اخلاق نبوی ﷺ:

آپ ﷺ کے اخلاق کو سمجھنے کے لیے فتح مکہ کا واقعہ آخری مثال ہے کہ سارے قاتل جمع تھے، صحابہ کو قتل کرنے والے، جنہوں نے کئی بار مدینہ کو برباد کرنے کی کوششیں کیں اور چڑھائی کی اور آپ ﷺ کو شہید کرنے کی نہ جانے کیسی کیسی سازشیں کیں، یہ سارے کے سارے واقعات آپ ﷺ کے سامنے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ نے یکلخت انہیں معاف کردیا، تاریخ میں کوئی فاتح اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا بلکہ عجیب بات ہے کہ جب لشکر مکہ میں داخل ہورہے تھے تو اس موقع پر ایک صحابی کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا:

"الیوم یوم الملحمة" (آج تو خوں ریزی کا دن ہے۔)

آپ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا اور یہ کہا کہ

"الیوم یوم المرحمة" (آج کا دن تو معافی کا دن ہے۔)

آپ ﷺ نے یہ جو فرمایا' اس سے اسلامی مزاج سامنے آتا ہے اور ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دشمنوں کو معاف کرنے کی ہمیں تلقین کی گئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ

"لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین"

(ایمان والا ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ایسے لقمہ تر بن جائیں کہ جو چاہے وہ آپ کو نگلتا چلا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی پوری عزت وشوکت کے ساتھ رہیے لیکن اس کے ساتھ آپ یہ بھی بتائیے کہ اسلامی اخلاق کیا ہیں؟ کمزوروں کی مدد کیسے کی جاتی ہے؟ دشمنوں کو کیسے معاف کیا جاتا ہے؟ اگر ہم چاہتے تو دشمنوں کو قابو کرسکتے تھے اور اس کو سخت سزا دے سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود اسلامی اخلاق کیا سکھاتا ہے؟ اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی کا یہ نمونہ ہمارے سامنے ہے جو ہمیں اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ:

آپ ﷺ نے فرمایا:

"خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ"

(اچھے اخلاق کے ساتھ لوگوں سے پیش آؤ۔)

غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں "خالق المؤمنین" نہیں کہا گیا کہ صرف مؤمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کی تعلیم دی گئی ہے، کوئی بیمار ہے تو اس کی مدد کرو، کوئی مریض ہے تو اس کی عیادت کرو، کوئی پریشاں حال ہے تو اس کے کام آؤ، کوئی فاقے سے ہے تو اس کو کھانا کھلادو، آج کے کل حالات میں لوگ بہت پریشان ہیں، ان حالات میں کوئی یہ سوچے کہ فلاں تو ہمارا دشمن ہے، ہم تو اسے ایک وقت کا کھانا نہیں دیں گے، یاد رکھیں! اسلام یہ نہیں کہتا، وہ دشمن اپنی جگہ پر ہے لیکن وہ آج ضرورت مند ہے، آج اس کی ضرورت ہے کہ آپ اس کے سامنے اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کریں اور اللہ کی رضا کے لیے آپ اس کے کام آجائیں، پھر اللہ تعالیٰ آپ کے اس وقت کام آئے گا جب کوئی کام آنے والا نہ ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا یہ طرز عمل اور اخلاق اس کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن جائے، ایسے کتنے واقعات ہیں کہ لوگوں کے حسن اخلاق کے نتیجہ میں بعض لوگوں کی بدسلوکی ہدایت کا ذریعہ بن گئی، ضرورت ہے کہ ہم بغیر کسی تفریق کے لوگوں کے ساتھ سلوک کریں اور اچھا برتاؤ کریں۔

ہمارے اخلاق ہر ایک کے لیے ہونا چاہیے، لیکن ہمیں محتاط رہنے کی بھی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ سامنے والا ہم ہی کو نقصان پہنچا دے، تاہم ہم ان کے ساتھ اپنا سلوک اچھا رکھیں، کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کل ان کے دل بدل دے، آدمی ایک مرتبہ نہیں سوچتا، دو مرتبہ نہیں سوچتا، مگر جب وہ بار بار دیکھتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ مسلسل بدسلوکی کر رہا ہے اور غلط برتاؤ کر رہا ہے، مگر تم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کر رہے ہو تو اس سے بعض مرتبہ آدمی کا دل بدل جاتا ہے۔

اسلامی اخلاق کو برتنا ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے اور یہ اسلام کی بنیادوں میں شامل ہے، اس لیے ہمیں اچھے اخلاق بنانے اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ جہاں کہیں بھی ہو تقویٰ اختیار کرو، اللہ کا لحاظ کرو، کسی غلط کام میں چاہے تمہیں کتنا ہی فائدہ نظر آتا ہو اور تمہیں کتنا ہی نقصان کا اندیشہ ہو، لیکن تم کبھی بھی غلط کام مت کرنا اور کوئی حرام چیز اختیار مت کرو۔

یہ بھی فرمایا کہ نیکیاں کرتے رہو، نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، آدمی کو چھوٹی موٹی نیکیوں کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے۔

یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اچھا سلوک کرو۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے اللہ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے اور اسلام کا صحیح نظام لوگوں کے سامنے آتا ہے، اسلامی اخلاق کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے، یہ واقعہ مجھے خود گجرات کے ایک بڑے عالم دین مولانا عبداللہ کاپودرویؒ نے تقریباً دو تین مرتبہ سنایا، ایک مرتبہ حضرت مولانا ان کو لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں سہارنپور جا رہے تھے، ٹرین کی دو سیٹوں کا ریزرویشن تھا، نیچے کی سیٹ حضرت مولانا کی اور اوپر والی مولانا عبد اللہ صاحب کی تھی، سامنے کی دو سیٹیں ہندوؤں کی تھیں، ان میں ایک نوجوان اسمبلی کے ممبر تھے اور دوسرے صاحب بھی نوجوان تھے، شام کے وقت ایک بوڑھی ہندو خاتون آئی جس کے تلک لگا ہوا تھا، وہ کہنے لگی کہ میری سیٹ اوپر کی ہے، میرے سامنے جو لوگ ہیں وہ سینئر سٹیزن ہیں، میں ان سے Request نہیں کر سکتی، اگر آپ میں سے کوئی سیٹ دے دے تو میرا کام ہو جائے گا، یہ سن کر وہ دونوں ہندو بیٹھے رہے اور ان میں سے کوئی نہیں بولا، جب وہ بے چاری مایوس ہو کر جانے لگی تو حضرت مولاناؒ نے کہا کہ یہ میری نیچے کی سیٹ ہے، جب تم کو سونا ہو تو یہاں آ کر سو جانا، اس کو تعجب ہوا کہ ایک داڑھی والا مسلمان یہ پیشکش کر رہا ہے، اس پر ایک اثر پڑا، (اس زمانہ میں حضرت کو گھٹنے میں Gout کی تکلیف تھی اور آنکھوں سے اس وقت نظر بھی نہیں آتا تھا، ۱۹۷۷ء میں جب مولانا امریکہ گئے اور آنکھ کا آپریشن کرایا تو الحمد للہ بینائی بحال ہوئی) تو مولانا عبداللہ صاحب نے کہا کہ حضرت! آپ نے بڑا غضب کیا، آپ اوپر نہیں چڑھ سکتے اور آپ نے اپنی سیٹ ان کو دے دی، اس پر حضرت مولاناؒ نے عجیب بات کہی کہ عبداللہ! اسلام کا اخلاقی نظام پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا، اگر کبھی موقع ملے تو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہیے، چاہے مشقت ہی اٹھانی پڑے۔

اسلامی اخلاق اصل چیز ہے، اگر یہ ہماری زندگی میں آجائے تو حالات بدل جائیں، یہ ہماری بداخلاقیاں ہیں جن کو لوگ دیکھتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں پوری مسلمان قوم بدنام ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی رضا کا بھی ذریعہ ہے، لوگوں میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کا بھی ذریعہ ہے اور اس کے ذریعہ سے دعوت کے راستے بھی کھلتے ہیں، کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو ہماری حفاظت کا ذریعہ بھی بنا دے، آج کے ماحول میں مسلمانوں کو خاص طور سے اس چیز پر توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے، اگر اس کی فکر کر لی گئی تو کیا بعید ہے کہ انشاء اللہ حالات کچھ کے کچھ ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ظہار کے شرعی احکام

مفتی راشد حسین ندوی

ظہار کے معنی:

ظہار کا لفظ ''ظہر'' سے باب مفاعلہ کا صیغہ ہے، ظہر کے معنی پیٹھ کے ہوتے ہیں، تو ظہار کے کئی معنی ہو سکتے ہیں مثلاً: ''ظاهرت ظهرك'' کے معنی ہیں: ''میں نے تمہاری پیٹھ اس کی پیٹھ کے بالمقابل کردی''، اور جب کہا جائے: ''ظاهر امرأته'' تو اس کے معنی کیے جاسکتے ہیں کہ ''اس نے اپنی بیوی کی پیٹھ کو ماں کی پیٹھ جیسی قرار دیا'' اور شریعت کی اصطلاح میں ظہار بیوی یا اس کے کسی جز کو ان عورتوں میں سے کسی سے تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوتی ہیں جیسے ماں بیٹی بہن اور ساس وغیرہ۔ (فتح القدیر: ۴/ ۸۵)

جاہلیت میں ظہار بھی ایلاء ہی کی طرح ایک طرح کی طلاق تھی جس میں شوہر یہ چاہتا تھا کہ بیوی کو معلقہ بنا کر رکھے، نہ تو خود اس کے لیے حلال رہے، نہ کسی اور سے نکاح کر سکے، تو اسلام نے اس ظلم کو ختم کیا اور قرآن مجید میں اس کے لیے احکام نازل ہوئے، چنانچہ حضرت خویلہ بنت مالک فرماتی ہیں کہ میرے شوہر حضرت اوس بن صامت نے مجھ سے ظہار کرلیا، تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر ان کی شکایت کرنے لگی اور رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں مجھ سے بحث کرنے لگے، آپ فرمارہے تھے: اللہ کا خوف کرو، وہ تمہارے چچازاد ہیں، (تم ان پر حرام ہو چکی ہو، میں کہہ رہی تھی کہ انہوں نے طلاق کے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں، تو میں آسمان کی طرف سر اٹھا کر اللہ سے فریاد کرنے لگی) میں مسلسل اسی میں لگی رہی، یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا .. الخ﴾

(المجادلة: ۱-۴)

(اللہ نے اس خاتون کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کرتی جاتی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، یقیناً اللہ سب سنتا ہے اور دیکھتا ہے، تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرلیتے ہیں وہ خود ان کی مائیں نہیں ہو جائیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور یقیناً وہ لوگ بڑی نامناسب اور جھوٹ بات کہہ جاتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی عورتوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں، پھر جو انہوں نے کہا اس سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، تو ان کے ذمہ دونوں (میاں بیوی) کے ملنے سے پہلے ایک گردن آزاد کرنا ہے، تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور تم جو کرتے ہو اللہ اس کی پوری خبر رکھتا ہے، پھر جو (غلام یا باندی) نہ پاسکے تو اس کے ذمہ دونوں کے ملنے سے پہلے ہی مسلسل دو مہینے کے روزے ہیں، پھر جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (کو مضبوط) رکھو اور یہ اللہ کی طے کردہ حدیں ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

(ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب في الظهار: ۲۲۱۶، ابن ماجة: ۲۰۶۳، النسائي: ۳۴۶۰، عن عائشةؓ في معناه)

ظہار تبھی ہوگا جب بیوی کو محرمات سے تشبیہ دے:

پھر ظہار اسی وقت مانا جائے گا جب وہ اپنی بیوی کو ماں یا محرمات میں سے کسی اور سے تشبیہ دے پھر اگر اس نے کہا کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو اس لفظ کو خواہ کسی بھی نیت سے کہے یا کسی

نیت کے بغیر کہے اس کو طلاق قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ یہ لفظ ظہار کے لیے صریح ہے اور اگر کہا کہ میری ماں جیسی ہے تو اگر اس کی مراد یہ ہو کہ ماں کی طرح قابل احترام ہو تو یہی مانا جائے گا اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائن قرار دیا جائے گا۔

(ہدایہ مع الفتح:۴/۸۹-۹۰،شامی:۲/۶۲۵)

اور اگر حروف تشبیہ میں سے کسی کو استعمال کیے بغیر کہا کہ تو میری ماں ہے، یا کہا کہ بہن ہے، یا کہا کہ بیٹی ہے، تو اس سے ظہار نہیں ہوگا، لیکن بیوی کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا مکروہ ہے۔

(شامی:۲/۶۲۶)

ظہار کا حکم:

اگر بیوی سے ظہار کرلیا تو جب تک کفارہ ادا نہ کردے، نہ تو اس سے جماع کرنا جائز ہے، نہ تو بوسہ لینا، نہ ہی شہوت کے ساتھ چھونا جائز ہے، اس کے چہرے وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے، لیکن شرم گاہ کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔(شامی:۲/۶۲۵)

اور اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرلی یا مذکورہ چیزوں میں سے کچھ کرلیا، تب بھی ایک ہی کفارہ ہوگا اور اس فعل کی وجہ سے اسے گناہ ہوگا، جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔(ہندیہ:۱/۵۰۶)

ظہار مؤقت:

ظہار مؤقت یہ ہے کہ کسی خاص وقت تک کے لیے بیوی کو ماں یا محرمات میں سے کسی سے تشبیہ دے دے تو جتنی مدت تک کے لیے ظہار کیا ہے، اس کے گذرنے کے بعد بیوی حلال ہوجائے گی اور اس سے پہلے کفارہ ادا کیے بغیر قربت اختیار کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(شامی:۲/۶۲۶-۶۲۷)

ظہار کا کفارہ:

اوپر آیت کریمہ میں ظہار کے کفارہ کی پوری تفصیل آئی ہے، یعنی جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس کا کفارہ ایک غلام یا ایک باندی کا آزاد کرنا ہے اور اگر نہ پائے (جیسا کہ آج کے دور میں غلام باندی کا وجود نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ کفارہ کی یہ شکل ممکن نہیں ہے) تو مسلسل دو مہینے روزہ رکھے اور اگر بیماری کی شدت کے سبب روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے اور یہ سب بیوی سے قربت اختیار کرنے سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

(ہدایہ مع الفتح:۴/۹۴)

اگر کوئی شخص روزوں کے ذریعہ ظہار کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ایسے مہینوں میں روزہ رکھنا شروع کرے کہ دو مہینوں کے درمیان رمضان، عیدالفطر یا ایام تشریق (۱۰/ذی الحجہ تا ۱۳/ذی الحجہ) نہ آئیں، اگر دو مہینے پورے ہونے سے پہلے مذکورہ دنوں میں سے کوئی دن بھی آ گیا تو وہ دو مہینے مسلسل روزہ رکھنے والا نہیں مانا جائے گا اور اسے ازسرنو دو مہینے کے روزے رکھنے ہوں گے، اسی طرح اگر درمیان میں کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر کسی عذر کے ایک بھی روزہ چھوٹ گیا، یا درمیان میں اس نے اس عورت سے وطی کرلی جس سے ظہار کیا تھا تو اسے ازسرنو ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔

(شامی:۲/۶۳۱)

کفارۂ ظہار میں ۶۰/مسکینوں کو صدقہ فطر کے بقدر غلہ دینا:

اگر کوئی شخص کفارۂ ظہار میں ۶۰/مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانے کے بجائے ہر ایک کو ایک صدقہ فطر کے بقدر غلہ یا اس کی قیمت دے دے تب بھی کفارہ صحیح ہوجائے گا۔

(شامی:۲/۶۳۲-۶۳۳)

اسی طرح اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن دو وقت کھانا کھلا دے تب بھی کفارہ صحیح ہوگا۔(أیضاً:۶۳۳)

لیکن اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰/مسکینوں کا پورا کھانا دے دیا، یا اس کی قیمت دے دی تو یہ صرف ایک وقت کے کھانے کی ادائیگی سمجھی جائے گی اور قیمت دی ہے تو صرف ایک مسکین کو دینا سمجھا جائے گا، یا تو قیمت ساٹھ مسکینوں کو دے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے۔(شامی:۲/۶۳۳)

صحابہ کی قدسی جماعت اور منافقین

مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں منافقین کا ایک گروہ تھا، یہ وہ لوگ تھے جو ظاہری طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے، مگر باطن میں وہ ایمان والے نہیں تھے، اس گروہ میں کچھ وہ تھے جو اعتقاداً منافق تھے، البتہ کچھ کے اندر عملاً نفاق بھی پایا جاتا تھا جو دراصل اعتقادی نفاق سے ہی نکلا ہوا تھا۔لیکن منافق کی یہ اصطلاح صحابہ کی قدسی جماعت پر قائم نہیں کی جاسکتی، اگر کوئی ان کی پاکیزہ جماعت کو بھی ''منافق صحابہ'' کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے تو حقیقت میں یہ ایک گمراہ کن اور باطل اصطلاح ہے جسے تسلیم کرنا ممکن نہیں، قرآن کریم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ہمیشہ ''مؤمنین'' کا لفظ آیا ہے اور ''منافقین'' کے لیے باقاعدہ اسی لفظ کا مستقل استعمال ہوا ہے۔اس کے علاوہ احادیث کے ذخیرہ میں بھی غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں کہیں بھی ''اُصحابی'' فرمایا تو آپ نے اپنے صحابہ ہی مراد لیے ہیں، کبھی کسی منافق کو صحابی نہیں کہا گیا، نہ اس کو اس زمرہ میں شامل کیا گیا اور نہ ہی اس کے ساتھ صحابی جیسا معاملہ کیا گیا، بس ظاہری طور پر ان کے ساتھ رعایت کی جاتی تھی جو ایک الگ بات ہے، تاہم کسی بھی منافق کو ہرگز ہرگز صحابی نہیں کہا گیا، اگر کوئی شخص منافق ہے تو وہ ایمان سے خالی ہے اور اگر کوئی صحابی ہے تو وہ ایمان والا ہے، اس لیے بیک وقت دونوں اضداد کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔منافق صحابہ کی اصطلاح ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ''سفید سیاہی'' یا ''سیاہ سفیدی''۔

اس دنیا میں کسی کے احترام واکرام اور کسی کے مقام ومرتبہ کو بیان کرنے کے لیے جتنے بھی القاب والفاظ وضع کیے گئے ہیں، ان تمام میں سب سے معزز اور مکرم ومحترم لفظ ''صحابی'' کا ہے، اگر کسی کو شرف صحابیت حاصل ہوگیا تو کوئی دوسرا اس شرف تک نہیں پہنچ سکتا۔غور کی بات ہے کہ اگر کوئی اس اصطلاح کو تسلیم کرتا ہے تب تو پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ''منافق تابعین''، ''منافق تبع تابعین''، ''منافق مفسرین''، ''منافق محدثین''، ''منافق فقہاء'' غرض کہ پھر تو کسی کے ساتھ بھی یہ اصطلاح جوڑی جاسکتی ہے۔

آج کل یہ بات کثرت سے کہی جانے لگی ہے کہ منافقین صحابہ کے درمیان گھسے ہوئے تھے، یہ نہیں جانا جاسکتا تھا کہ کون منافق ہے اور کون صحابی؟! اس لیے سب ہی کو صحابہ کو مانا اور جانا جاتا تھا، گویا ان کے ساتھ بھی صحابیت والا معاملہ کیا جاتا تھا، لیکن یہ بات بالکل درست نہیں ہے، حضرات صحابہ کرامؓ خوب جانتے تھے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے؟ حتی کہ اگر کوئی شخص گہرائی کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ کرے تو وہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ منافقین اور صحابہ بالکل الگ الگ تھے، قرآن کریم میں منافقین کی جو بری صفات بیان کی گئی ہیں، اس سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اس سماج میں منافقین کون تھے؟

مدینہ کے سماج میں ان منافقین کے ساتھ ظاہری طور پر رعایت کا معاملہ صحابہ کے گروہ میں شامل ہونے کے سبب نہ تھا بلکہ وہ رعایت اس لیے تھی کہ اللہ رب العزت نے ان کے لیے ایک موقع رکھا تھا، پھر یہ بات بھی ارشاد ہوئی کہ منافقوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ انہیں مبتلائے عذاب کرنا چاہتا ہے تاکہ ان کی جانیں اس حال میں جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

منافقین کی حرکتیں اس قدر واضح ہیں کہ انہیں الگ سے پہچاننا بالکل بھی مشکل نہیں، آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے ہی دن سے ان کی کارستانیاں شروع ہوگئی تھیں، ان کا کام یہ تھا کہ وہ کافروں سے پینگیں بڑھاتے تھے، یہودیوں سے ملے رہتے تھے، اسی لیے قرآن کریم نے کھل کر کہا کہ

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَاباً أَلِيْماً﴾ (منافقین کو خوش خبری دے دیجیے کہ یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر منافقین کے گروہ کا علم ہی نہ ہو تو پھر کس سے کہا جائے گا؟ لیکن منافقین اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے نفاق کو چھپا لیتے ہیں اور ان کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں ہے۔

منافقین کا شیوہ تھا کہ حضور ﷺ کے ہر کام کو الٹ دیتے تھے، تو کیا حضور نہیں جانتے تھے کہ معاملہ کو کون الٹ رہا ہے؟ منافقین حضور اکرم ﷺ کے ہر کام میں رکاوٹ کھڑی کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ جس طرح ایک صالح انسانی معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے، منافقین نے اسی کے بالمقابل ایک لغو اور نجس سماج بنا رکھا تھا:

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُواْ اللّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (التوبة: ٦٧)

(منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی ہیں، برائی سکھاتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انھوں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ نے ان کو فراموش کر دیا بلاشبہ منافقین ہی نافرمان ہیں۔)

معلوم یہ ہوا کہ یہ پورا کا پورا ایک جان پہچانا ٹولہ تھا اور ہر ایک اس سے واقف تھا، لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے لیے ایک موقع تھا جس کے متعلق آتا ہے کہ

﴿فَإِن يَتُوبُواْ يَكُ خَيْراً لَّهُمْ﴾ (التوبة: ٧٤)

(بس اگر وہ توبہ کر لیتے ہیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا۔)

گویا یہ ان کے لیے ایک موقع تھا جس کی بنیاد پر ان کے ساتھ رعایت کی جاتی تھی، ورنہ ہر ایک ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا تھا، اللہ رب العزت کی منافقین کے متعلق یہ وعید ہے:

﴿وَعَدَ الله الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾

(اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور منکروں کے لیے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، وہ ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے، وہی ان کے لیے کافی ہے اور ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے نہ ٹلنے والا عذاب ہے۔)

اس طبقہ کے مقابلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی محنت وخلوص سے مدینہ میں جو مبارک معاشرہ قائم ہوا، اس کے اوصاف یہ ہیں:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَـئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبة: ٧١)

(اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ بھلائی سکھاتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہونے والی ہے بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔)

قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس پاکیزہ معاشرہ کے لیے یہ بشارت سنائی گئی ہے:

﴿وَعَدَ اللّـهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

(اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ کے لیے اسی میں رہ پڑیں گے اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں اچھے اچھے مکانات کا، اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑھ کر ہے یہی بڑی کامیابی ہے۔)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بجائے خود ایک معیار تھے، حدیث میں آتا ہے کہ جو ان سے محبت کرے وہ مؤمن اور جو ان سے نفرت کرے وہ منافق ہے، تو سمجھنا چاہیے کہ پھر صحابہ منافقین کے اس گروہ کو کیوں کر نہیں پہچانتے ہوں گے۔

مغربی تہذیب کے اثرات اور انسانی تہذیب

محمد امین حسنی ندوی

یورپ میں ایک شخص گذرا ہے جس کو مفکر کہا جاتا ہے کیوں کہ اس نے ایک فکر دی ہے غلط ہی سہی، ایک سوچ دی ہے وحشیانہ ہی سہی، نام اس مفکر کا ہے: Niccolo Machiavelli۔ انسانوں کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟ زندگی کی اس کے یہاں کیا قیمت ہے؟ اس کو اگر سمجھنا ہے تو اس کے اس جملے پر غور کرنا ہوگا، وہ کہتا ہے: ”مقصد کے حصول کے لیے اگر کسی کا خون بہانا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانا پڑے تو جانا چاہیے۔“

اس اصول پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے اور اسی راستہ پر آج بھی وہ گامزن ہے، جبکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ مقصد بھی نیک ہو اور مقصد کے حصول کا طریقہ بھی درست ہو، آپ اپنے کو فائدہ پہنچائیے لیکن دوسرے کو نقصان پہنچا کر نہیں، آپ دوسرے کے لیے وہی پسند کریں جو آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔

سابق امریکی وزیر خارجہ Henry kissinger کا یہ جملہ بہت مشہور ہے کہ ہم کسی کے دوست نہیں، ہم صرف اپنا مفاد دیکھتے ہیں اور اس کو پورا کرنا چاہتے ہیں، چاہے اس کے لیے جو بھی طریقہ استعمال کرنا پڑے، ایک کہاوت ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور کی اس مہذب دنیا کا مزاج کیا ہے؟ کہاوت ہے: ”نہ ابا نہ بھیا سب سے بڑا روپیہ“ بعض ہندو بھائیوں کی دکانوں میں یہ عبارت دیوار پر لکھی نظر آتی ہے، مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ کاروبار میں رشتہ داری، دوستی، انسانیت، شرافت اور رحم دلی کا کوئی گذر نہیں، ایک کہاوت اور ہے وہ بھی اس دور کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے، کون سا دور؟ مغربی نظام تعلیم کا دور، مغرب کے تسلط کا دور، مغربی افکار ونظریات کے رواج کا دور، مغربی مفکروں سے مرعوبیت کا دور، مغربی تہذیب کی حکمرانی کا دور، وہ کہاوت ہے: ”اگر ضرورت ہو تو گدھے کو بھی باپ بنالو“ کہاں انسان کہاں گدھا؟ نہ شکل، نہ عقل، نہ آواز، پھر بھی انسان اس کو باپ بنانے کو تیار، کیا انسانیت کی اس سے بڑھ کر کوئی توہین ہوسکتی ہے۔

ایک فلسفی اور گذرا ہے، ڈارون کے نام سے وہ جانا جاتا ہے، وہ اپنا سلسلہ نسب ہی بندر تک پہنچاتا ہے، خیر چلئے گدھے سے بندر تو بہتر ہے، اچک سکتا ہے، کود سکتا ہے، منٹوں میں کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے، گدھا بیچارہ تو بس ایک ہی جگہ گردن جھکائے کھڑا نظر آتا ہے، بہرحال ان سب باتوں سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ اس دور میں سب سے گیا گذرا انسان ہی ہے، اس کی سب سے زیادہ گت بن رہی ہے اور اس کے ہاتھوں بن رہی ہے، انسانی حقوق کی باتیں تو بہت ہیں لیکن وہ سب ایک دھوکہ ہیں، ایک امریکی سائنٹسٹ ڈاکٹر جی آر البیر یلی نے اپنی رپورٹ میں یہ ثابت کیا ہے کہ آج کل جو مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، یہ سب انہی ایٹمی تجربوں کا نتیجہ ہیں، امریکہ نے ایسا کیمیکل تیار کیا ہے جس کے استعمال سے زلزلہ کی کیفیت دنیا میں پیدا کی جاسکتی ہے، جس سے زلزلہ اور حوادث آئیں گے، رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایڈز، کینسر، ہارٹ اٹیک، سانس کی تکلیف، سوائن فلو، برڈ فلو، ڈینگو، بخار، چکن گنیا اور اس طرح کی بے شمار بیماریاں انہی ایٹمی تجربات کی وجہ سے ہو رہی ہیں اور اس کا مقصد یورپ کا صرف اپنی بالادستی قائم کرنا ہے۔

مغربی تہذیب یہ بتاتی ہے کہ انسان کی قیمت جانوروں سے بدتر ہے جس کو کسی بھی وقت مسلا جاسکتا ہے، ان کے ذہن میں یہ بات ہے کہ حکومت کرنا ہمارا کام ہے، باقی لوگوں کا کام غلامی کرنا، گذشتہ جنگ عظیم میں جاپان پر جو بم پھینکا گیا اس سے آج تک انسانی جانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے اور آج بھی انسانی ہلاکتوں کا سلسلہ جاری ہے۔

اگر یہ بات کہی جائے کہ مغربی تہذیب کی اٹھان ہی جرم،

تشدد، خونریزی اور سفاکی پر ہے تو کوئی غلط بات نہ ہوگی، یہ تہذیب اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہے، اگر اس تہذیب سے انسانی معاشرہ کو بچانا ہے تو وہ اسلامی صفات پیدا کرنی ہوں گی جو قرن اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی صحبت میں رہ کر پیش کی تھیں، اسلامی اقدار، اسلامی اخلاق اور اسلامی نظام زندگی کو پیش کرنا ہوگا، اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کا خاندانی نظام باقی رہے تو اس کو اسلامی نظام اپنانا ہوگا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم ہوئی جو چار سال تک چلی، ۹۰/ لاکھ فوجی اور ۷۰/ لاکھ عام شہری اس جنگ میں مارے گئے اور پچاس لاکھ عام شہری بھوک اور بدترین حالات کا شکار ہوئے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

فرانس میں جمہوری انقلاب برپا ہوا اور جب فرداً فرداً انسانوں کو قتل کرنا ممکن نہ ہوا تو گلوٹیں ایجاد کرنا پڑیں جو بیک وقت بیسیوں انسانوں کے سروں کو ناریلوں کی طرح اڑا دیتی تھیں، اس جمہوری انقلاب نے مؤرخین کے اندازے کے مطابق ۲۶/ لاکھ انسانوں کو گلوٹوں سے بھینٹ چڑھا دیا۔

روس میں اشتراکی انقلاب نے ایک کروڑ سے زائد انسانوں کو قتل وغارت گری اور برفانی قیدخانوں کے حوالہ کردیا، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا وہ لکھتے ہیں: ”برطانیہ کے فوجی افسروں کی نگاہ میں اپنے سپاہیوں کی وقعت بس محض ”غذائے توپ“ کی تھی، جنگوں میں انگریز افسر اپنی تقریروں میں یہ باتیں کرتے تھے، اپنی انسانیت وشرافت کو بھلا دو دلوں کو پتھر بنالو موت وزندگی کی طرف سے بہرے بن جاؤ، یہ جنگ ہے جنگ۔“

ہندوستانی مؤرخ پروفیسر امریش مشرا اپنی تحقیقی کتاب میں تاریخی شواہد ودستاویزات اور سرکاری اعداد وشمار کی بنیاد پر لکھتا ہے کہ ”انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں دس ملین (ایک کروڑ) ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ سب کے سب بے گناہ تھے، ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر برطانوی سامراج کے ظلم وتشدد کے خلاف تحریک شروع کی تھی لیکن سفاک انگریزوں نے اپنے اقتدار کی حفاظت وبقا کی خاطر بے گناہ ہندوستانیوں (مسلمان وہندو) کو بے رحمی سے قتل کردیا اور یہ خونی سلسلہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۷ء تک جاری رہا۔

انفرادی طور پر جو ظلم وستم کلیسا نے ڈھایا تھا' وہ بھی اپنی مثال آپ ہے، زندہ انسانوں کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا اور نیم جلی حالت میں نکال کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا، مردوں اور عورتوں کو باندھ کر چمنی میں لٹکا دیا جاتا اور نیچے آگ لگادی جاتی تاکہ وہ آگ میں تپ کر اور دھوئیں میں گھٹ کر تڑپ تڑپ کر مرجائیں، پورے جسم میں سوئیاں چبھوئی جاتیں، زنجیر میں باندھ کر ہلکی آگ میں بھونا جاتا، زمین پر لٹکا کر کلہاڑی یا لوہے سے اس کی کمر توڑی جاتی، پھر اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ مرجائے۔

اس کے برخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر جو اصول وہدایات عطا کیں ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

”نبی کریم ﷺ کا قاعدہ تھا کہ آپ ﷺ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، جب سریہ بھیجتے تو ان لوگوں کو تاکید کردیتے کہ منکرین خدا کو قتل کرنا ہو تو مثلہ نہ کرو یعنی ان کے جسم کے اعضاء کو نہ بگاڑو، کفار سے جب کچھ معاہدہ کرو تو بدعہدی نہ کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو، آپ ﷺ یہ بھی حکم دیتے کہ جس بستی یا قبیلہ سے اذان کی آواز سنی جائے یا اسلام کی کوئی علامت معلوم ہو، وہاں حملہ نہ کیا جائے اور جو شخص کلمہ پڑھ لیتا گو اس نے تلوار کے خوف ہی سے پڑھا ہو اس کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، نبیؐ نے غزوۂ حنین میں اپنے اصحاب ورفقاء کو حکم دیا کہ کسی بچہ، عورت، مرد یا غلام جو کام کاج کے لیے ہو ہاتھ نہ اٹھایا جائے، آپؐ نے ایک عورت کے قتل پر جو حنین میں ماری گئی افسوس کا اظہار کیا، نبی ﷺ کی اس اعلی ترین تعلیم وتربیت ہی کا اثر تھا کہ خلفاء راشدین کے عہد میں اگرچہ عراق وشام، مصر وعرب اور ایران وخراسان کے سیکڑوں شہر فتح کئے گئے مگر کسی جگہ بھی حملہ آوروں، جنگ آزماؤں، یا رعایا کے ساتھ اس طرح کی سختی اور زیادتی کا برتاؤ نہیں ملتا جو اس زمانہ کی جنگوں میں رائج تھا، مغلوب دشمن سے تاوان جنگ لینے کا بھی کہیں اندراج نہیں ملتا۔

محرم الحرام اور اس کی اہمیت وتقاضے

محمد نجم الدین ندوی

ہلال محرم طلوع ہونے سے نئے اسلامی ہجری سال کی ابتدا ہو جاتی ہے، اس مہینہ کی اللہ کے یہاں بڑی عظمت وقدر ہے، تاریخی روایات کی نظر میں دیکھا جائے تو اس مہینہ میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے، اس مہینہ کی اہمیت اور اس کی فضیلت پر متعدد تاریخی روایتیں اور وہ بیانات شاہد ہیں جو احادیث وآثار میں نقل کیے گئے ہیں۔

امام مسلم کی نقل کردہ ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ (رمضان کے بعد بہترین وافضل روزے محرم الحرام کے روزے ہیں) (صحیح مسلم: ۲۰۲) اس کی فضیلت کا اندازہ اس روایت سے بھی بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ (جو شخص محرم کے ایک دن کا روزہ رکھے گا' اس کو ایک دن کے بدلہ ایک مہینہ کے روزوں کا اجر ملے گا۔) (غنية الطالبين: ٣١٤) اس مہینہ میں یوم عاشور کو ایک طرح کا امتیاز اس طور پر حاصل ہے کہ عہد جاہلیت میں بھی میں اس دن روزہ رکھا جاتا تھا، امام بخاری نے اپنی صحیح (کتاب الصوم: ۱۷۹۴، ۱۸۹۸) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ قریش دور جاہلی میں یوم عاشور کا روزہ رکھتے تھے، نبی اکرم علیہ السلام نے بھی روزہ رکھا تھا، جب ہجرت کر کے مدینہ میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے خود روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ کا حکم دیا، البتہ جب فرضیت رمضان کا حکم نازل ہوا تو یوم عاشور کے روزہ کی فرضیت جاتی رہی، اب جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو نہ رکھنا چاہے نہ رکھے۔'' یہی روایت مسلم (رقم: ۱۱۲۵) میں بھی موجود ہے۔

رمضان کی فرضیت صیام سے پہلے یوم عاشور کا روزہ فرض تھا، فرضیت رمضان کے بعد اس کا لزومی حکم برقرار نہیں رہا، اب یوم عاشور کا روزہ اختیاری ہے، لیکن اس کی فضیلت اور برکت واہمیت میں کسی قدر کمی بھی نہیں آئی، بایں وجہ نبی اکرم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ (یوم عاشور کا روزہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین رکھتا ہوں کہ سال رفتہ کے گناہ معاف کر دے گا۔) (صحیح مسلم: ۲۸۰۳) مسند احمد کی ایک معتبر روایت میں ہدایت ہے کہ (یوم عاشور کا تم روزہ رکھو، اس میں یہود کی مخالفت کرو اور اس سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ رکھو۔) (مسند احمد: ۲۱۵۴) مسلم کی ایک روایت سے اس کو تقویت ملتی ہے کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ سلم نے یوم عاشور کا روزہ رکھا اور روزہ کا حکم دیا، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ وہ دن ہے جس کی یہود ونصاریٰ تکریم کرتے ہیں، حضور نے فرمایا: آئندہ سال نویں کا بھی روزہ کریں گے مگر آپ علیہ السلام آئندہ سال کی آمد سے پہلے دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔) (صحیح مسلم: ۲۷۲۲)

ذخیرۂ احادیث میں یوم عاشور کو اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت اور فراخی کی فضیلت پر روایت آئی ہے: (یوم عاشور کو جو شخص اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر پورا سال وسعت فرمائے گا۔) (شعب الایمان بیہقی: ۳۵۱۳) توسع علی العیال کی روایت پر بعض محدثین نے ضعف کا حکم لگایا ہے اور بعض نے تحسین فرمائی ہے، مگر مختلف سندوں سے وارد ہوئی ہے، اس لیے مجموعی طور پر قوت حاصل ہوئی ہے اور فضائل کے باب میں ایسی روایت معتبر مانی جاتی ہے، اس لیے اس کا مستحب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (اوجز المسالک: ۳/ ۴۸) امام بیہقی نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ ”هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلىٰ بعض أخذت قوة“ (سنن بیہقی: ۳/ ۳۶۶، مطبوعہ بیروت)

محرم الحرام کا تصور اگر ہمارے ذہنوں میں آتا ہے تو اب اس حد تک کہ اس میں جگر گوشہ زہرا کی مظلومانہ اور بے کسی کے عالم میں شہادت ہوئی اور اسلامی تاریخ کے دیگر واقعات اور اس مہینہ کی حقیقت وعظمت' میدان کربلا میں گم ہو کر رہ گئی اور ماہ محرم کا یوم عاشور' مظلومی اور بے کسی کا عنوان ورمزبن کر رہ گیا۔

ادھر محرم کا چاند طلوع ہوا' ادھر غم ونوحہ کا منظر دکھائی دینے لگا،

لوگ ماتمی لباس میں رقصاں نظر آنے لگے، کہیں نوحہ گری ہے اور کہیں مجالس عزا، کہیں بدعات وخرافات کا گھیر گھراؤ ہے اور کہیں غیر سنجیدہ معاشروں میں آتشیں لہوولعب، اکثر وبیشتر طبقوں میں اکل وشرب میں وہ غلو واہتمام اور جانی ومالی تعب وتھکن کہ بس اللہ کی پناہ!

تعزیہ وسینہ کوبی کرنا اور سواری سے منتیں مانگنا' ناجائز ہے، کیوں کہ تعزیہ داری وسازی ایمان ودین کے خلاف ہے اور قرآن پاک کی آیت "أتعبدون ما تنحتون" سے سخت حکیمانہ تنبیہ کی گئی ہے، کیوں کہ یہ اپنے ہاتھوں تراشیدہ چیزوں کی پرستش ہے، تعزیہ کے ساتھ جو کچھ کیا جاتا ہے' یہ سب' روحِ ایمان اور تعلیم اسلام کے اعتبار سے ناجائز ہیں، امام ابن حجر مکی کی ''صواعق'' میں صراحت ہے کہ "وإياه ثم إياه أن يشغله ببدع الرافضة من الندب والنياحة والحزن إذ ليس ذلك من أخلاق المؤمنين وإلا لكان يوم وفاته صلى الله عليه وسلم أولىٰ بذلك وأحرى"(الصواعق المحرقة:٢/٥٣٤) (خبردار! رافضیوں کی بدعتوں میں مبتلا نہ ہونا جیسے مرثیہ خوانی، ماتم اور غم واندوہ وغیرہ، کیوں کہ یہ مؤمنین کی شایاں نہیں، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اس کے زیادہ حقدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال ہوتا۔) اسی طرح اہل سنت کے ہاں' ماہ محرم میں کالا لباس استعمال کرنا ممنوع ہے کیوں کہ یہ سوگ کی علامت ہے۔(احکام شریعت:۱/۹۰) اور شیعی فقہ کی مستند کتابوں میں بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ (الکافی:۳/۴۵۳، من لا یحضرہ الفقیہ:۱۶۳) یہی وجہ ہے کہ فقہائے امت کے یہاں تصریحات ملتی ہیں کہ ''ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے۔'' (فتاویٰ رحیمیہ:۲/۱۱۵، کراچی) فقیہ ومحدث شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ ہے کہ ''تعزیہ داری درعشرہ محرم وساختن ضرائح در صورت قبور وغیرہ درست نیست۔'' (فتاویٰ عزیزی:۱/۶۸) بایں ہمہ امام ابوبکر برہان الدین فرغانی نے اصولی بات بتائی ہے کہ (بلا ریب تمام لہولعب کے کام حرام ہیں یہاں تک کہ سازوں (موسیقی) کے ساتھ گانا بھی۔)(الہدایہ:۴/۸۰)

اہل سنت کے یہاں ماہ محرم میں عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ خوشی وشادی کی تقریبات درست اور جائز نہیں اور یہ دن منحوس اور سوگ کے ہیں، ایسا عقیدہ اور تصور رکھنا غلط ہے۔''ماہ محرم میں شادی وغیرہ کو ناجائز کہنا سخت گناہ، اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام نے ان چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہے اور جو اعتقاداً اور عملاً ان کو ناجائز، حرام سمجھے تو اس میں ایمان کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو روافض (شیعوں) سے پوری احتیاط برتنی چاہیے، ان کی رسوم میں شرکت حرام ہے۔''(فتاویٰ رحیمیہ:۳/۱۹۱) اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں تمام رسوم وبدعات سے محفوظ فرمائے، کیوں کہ معمولی سی نادانی' ایمان کے خطرہ کا سبب نہ بن جائے اور رسوم وبدعتیں گمراہ کن چیزیں ہیں اور یہ جہنم میں لے جانے والی ہیں۔

ان تمام حقیقتوں کے ساتھ یاد رہے کہ جگر گوشہ زہرا' شان رحمۃ للعالمینی کا عظیم ترین مظہر ہیں، نبوت پر ایمان اور رسالت مآب کی محبت واقرار کا تقاضا ہے کہ سبط محبوب الٰہی وشہید کربلا کی محبت ہر ایمان والے کے دل میں موجزن ہو' دائرۂ شریعت میں رہ کر، ماتم، علم، تعزیہ داری اور تبرا بازی مظہر محبت نہیں، دشمنی کی شکل اور احکام شریعت کی نافرمانی ہے، اصل شے محبت واطاعت الٰہی ہے، اللہ کی محبت تک پہنچنے کی ایک ہی حقیقی راہ ہے' وہ مرکز عرفان محبت اور چشمہ فیضان محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین ذات ہے، حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور حقیقی محبت ہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس پر اب تمام عالم انسان کی صلاح وفلاح اور نجات منحصر ہے، اور شریعت وہ نشان راہ ہے اور کسوٹی ومعیار ہے، جو اپنے ایمان والوں کو اس معیار وکسوٹی پر کھرا اترنے کی دعوت بلکہ حکم کرتی ہے، تاکہ عالم انسان اس کے سایہ میں نور وہدایت کی راہ پر محکم واستوار رہے۔ محرم الحرام کا نوع انسان کو یہی پیام ہے کہ ظلم واستبداد کے انتہائی عروج کے دور میں آئینہ حق دکھانا اور حق واستقامت کی راہ پر چل کر معرکہ حق وباطل میں جان قربان کرنا فطرت کا تقاضا اور عین اسلام ہے۔

شہادتِ حسین کا مقصد

محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

قربانی کا مبارک مہینہ گزر گیا اور محرم الحرام کا مبارک شہادت والا مہینہ شروع ہو گیا ہے، جس کا حق یہ تھا کہ آپ نواسہ رسول، علی مرتضیٰ کے نور نظر، بنت رسول کے لخت جگر حضرت حسینؓ کی بے نظیر شہادت کو یاد کرتے، اس کو اپنے دل میں اپنے ہر قطرۂ خوں میں جگہ دیتے، آپ کے جسم کا رویاں رویاں فدائیت و شہادت کے جذبات سے سرشار ہو جاتا۔

مگر یہ کیا ہوا! محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی حضرت حسین کے نانا کے امتی، حسین کی محبت کا دعویٰ کرنے والے، حسین کے دشمنوں کے طریقہ کو اپنا بیٹھے، حسینی مشن، حسینی کردار، حسینی اسلام کا مذاق بنانے لگے، حضرت حسین کی مقدس زندگی کا سبق ضائع کرنے لگے۔

آپ دیکھیں! وہی مسلمان جو نماز میں بڑے سست اور کاہل وہی مسلمان جو مسجد تک جانا اپنی طاقت سے باہر سمجھتے تھے، علم، تعزیہ، جلوس، مہندی، دلدل کے ساتھ چکر لگانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں، ہاں وہی مسلمان جو دربارِ الٰہی میں حاضری کے لیے ہر روز پانچ مرتبہ پکار کو سنتے اور ٹال جاتے تھے، آج بغیر کسی پکار کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے کاغذی گھروندوں کے سامنے حاضری لازمی سمجھیں گے، وہی مسلمان جو زکوٰۃ تک ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، نذر و نیاز میں خرچ کرنے میں دِل کھول کر اپنے حوصلے نکالیں گے، اسلام نے جن چیزوں کو حرام بتلایا، سینہ کوبی، ماتم زنی، اس میں ساری حدیں پار کر دیں گے، جلوس کے نام پر بے حیائی ہوگی، مرد و عورت سب سڑکوں پر نکل آئیں گے۔

خدا کی قسم! یہ تو حسین کا دین نہیں تھا، حضرت حسین تو شہادت پیش کر کے زندہ و جاوید ہو گئے، پھر زندوں پر کیسا ماتم؟

ہمارا گلہ ان سے ہر گز نہیں جن کے نزدیک شہادت کا کوئی مفہوم و مرتبہ نہیں، جو شہید کو مردہ تصور کر کے آہ و فغاں اور نوحہ خوانی کرتے ہیں، جنہوں نے صرف انہیں نوحہ خوانیوں پر اسلام کو محدود کر دیا ہے، جن کا اسلام کے مقدسات' اسلام کے دوسرے احکام سے کوئی واسطہ نہیں۔

گلہ تو ان سے ہے، افسوس تو ان پر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان اور پھر سنی مسلمان کہتے ہیں، سوال تو ان سے ہے کہ کیا آپ کے پاس اس رواجی محرم کے رسم و رواج کی تائید میں کوئی دلیل ہے؟ غور کریئے! اپنی عقل پر پورا زور ڈالیے! کتابِ الٰہی و سنت رسولؐ یا عقائد اہل سنت میں کہیں سے بھی کوئی دلیل نکل سکتی ہو تو خدا کے واسطے پیش کیجیے، تا کہ ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ آخر وہ کون سی حدیث ہے، کون سی دلیل ہے جس سے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین سب غافل رہے اور آپ کو خبر ہو گئی، اگر کوئی دلیل نہیں ملتی تو للہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر خود فیصلہ کیجیے کہ آپ پر ایک سنی مسلمان ہونے کے ناطے کیا فرض ہوتا ہے! رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا فرض ہوتا ہے، یا رافضیوں کی بتلائی ہوئی باتوں پر؟

خدارا حضرت حسینؓ کی عظیم الشان قربانی کا مقصد خرافات میں ضائع نہ ہونے دیجیے، شہادت حسین ایک مشن ہے، امت کے لیے ایک نمونہ ہے، حسین نام ہے پیکر حق پرستی کا، مجسمہ ایمان و ایقان اور صبر و شہادت کا، مگر حسینی کردار کو اختیار کرنے کے بجائے ہم نے ڈھول اور تماشوں' لہو و لعب کو اختیار کیا، خود اپنی پاکیزہ شریعت کا مذاق بنایا تو دیکھو! خدا کیسے حقیر سے حقیر اور ذلیل سے ذلیل قوموں کے ذریعہ ہمیں ذلیل کر رہا ہے۔

اب آپ مردوں کا ماتم مردہ قوموں کے لیے چھوڑ دیجیے، حسین آج بھی زندہ و جاوید ہیں، آپ حسینی کردار کو اپنا لیجیے، باطل اور ظالم حکومتیں آج پھر قائم ہیں، آپ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیے، ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا جذبہ پیدا کیجیے، ساتھ ہی آپ یہ بھی عزم کر لیجیے کہ کچھ بھی ہو جائے ہم شریعت کے ایک جزء سے بھی سمجھوتہ نہیں کر سکتے، آج پھر ظلم کا بازار گرم ہے، ہر سمت ظلم ہو رہا ہے، خاص کر ظالم اہل غزہ پر بربریت کی انتہا کر رہا ہے، یزیدی طاقتیں دندناتی پھر رہی ہیں، حسین کے نام کا دم بھرنے والے تو نظر آ رہے ہیں مگر کوئی حسینی لشکر نظر نہیں آتا، کاش کہیں سے کوئی حسین کی فوج نظر آ جائے۔

افاداتِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

مرتب:- مولانا جمال ملپا ندوی بھٹکلی

پیری مریدی کی غرض:

”جب پیر کامل مل جاوے اور اس سے مرید ہونے کا ارادہ کرے تو پہلے یہ سمجھ لے کہ مرید ہونے سے عرض کیا ہے؟ کیوں کہ مرید ہونے سے لوگوں کی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں، کوئی تو یہ چاہتا ہے کہ ہم کرامت والے ہو جاویں اور ہم کو کشف سے وہ باتیں معلوم ہونے لگیں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتیں بلکہ خود پیر ہی میں یہ ہونا ضروری نہیں کہ اس سے کرامتیں ہوں، اس کو کشف سے ایسی باتیں معلوم ہو جایا کریں جو اوروں کو معلوم نہیں ہوتی ہیں تو بے چارہ مرید اس کی کیا ہوس کرے گا، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مرید ہونے سے پیر صاحب بخشش کے ذمہ دار ہو جاویں گے، قیامت میں وہ دوزخ میں نہ جانے دیں گے خواہ کیسے ہی برے کام کرتے رہو، یہ بھی محض غلط ہے، خود جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

”یا فاطمة! أنقذی نفسك من النار“

(اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ یعنی عمل کرو۔)

کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پیر صاحب ایک نگاہ میں کامل کر دیں گے، ہم کو نہ محنت کرنا پڑے گی نہ گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا پڑے گا۔ اسی طرح کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون کامل ہوگا؟ گو کہیں بطور کرامت کے ایسا ہو بھی گیا ہے کہ کسی بزرگ نے ایک نگاہ میں کامل کر دیا لیکن کرامت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہوا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ولی سے کرامت ہوا کرے، اس بھروسہ پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ خوب جوش وخروش وشورش مستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں، گناہ کی خواہش مٹ جاوے، نیک کاموں کا ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، آپ سے آپ ہو جایا کریں، دل کے وسوسے اور خطرے سب مٹ جاویں، بس ایک بے خبری کی کیفیت رہا کرے، یہ خیال پہلے سب خیالوں سے اچھا سمجھا جاتا ہے، لیکن سبب اس کا ناواقفیت ہے، یہ سب باتیں کیفیات اور حالات کہلاتی ہیں اور حالات کا پیدا ہونا آدمی کے اختیار سے باہر ہے اور حالات اگر چہ بہت عمدہ چیز ہیں مگر مقصود نہیں، مقصود وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا حاصل کرنا اختیار میں ہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی خواہشوں میں نفس کا چھپا ہوا مکر ہے، وہ یہ کہ نفس آرام اور مزہ اور ناموری چاہتا ہے، ان کیفیتوں میں یہ سب باتیں حاصل ہیں، جو شخص اللہ کی رضامندی کا طالب ہوگا جس کے متعلق آگے بیان آتا ہے کہ درویشی سے مقصود یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ کیفیتیں یا حاصل ہوں گی یا نہیں، اگر حاصل ہو گئیں تب تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اس کو درویشی سمجھتا تھا، اپنے کو کامل سمجھنے لگتا ہے اور ان ہی کیفیات پر بس کر کے پرہیزگاری اور عبادات کو بے قدر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوں تو غم میں مرنے کھلنے لگتا ہے اور کچھ اسی کی خصوصیت نہیں بلکہ جو شخص بھی ایسی باتوں کی خواہش کرے گا جو اختیار سے باہر ہیں، غم اور پریشانی میں مبتلا رہے گا۔“

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 17 ✤ July 2025 ✤ Issue: 07

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)